ایک درس مکتب اسلام سے

آقائے شریعت صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد نقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ

تمام حمد و شکر اس کے لئے جو اس کا حق دار ہے اور صلوٰۃ و سلام ان پر جو اس کے اہل ہیں۔

ایک زمانہ وہ تھا جب انسان کی نگاہ اور اس کا علم محدود تھا۔ وہ صرف محسوسات کو دیکھتا تھا۔ گہرائیوں میں اترنے کی اس میں صلاحیت نہ تھی وہ صرف سمندر کے کنارے چھوٹی چھوٹی سیپیوں کو چن کر خوش ہو لیتا تھا۔ اسے غوطہ خوری کر کے علم کے موتی نکالنے کی قدرت نہ تھی اس کے عقائد و نظریات صرف تخیلات و توہمات تک محدود تھے۔ وہ تاروں کو معبود، شمس و قمر کو خدا اور مفید و خوفناک شئے کو قابل پرستش سمجھتا تھا۔ اس کے خیال میں زمین گائے کے سینگ پر، گائے مچھلی پر اور مچھلی مچھر پر ٹکی ہوئی تھی اس کے نزدیک سورج گہن اور چاند گہن اس لئے ہوتے تھے کہ یہ دونوں پہاڑوں میں پھنس جاتے تھے یا قرض خواہ اپنا قرض وصول کرنے کے لئے ان کو نگل جانے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ انسان توہمات کی زنجیروں کو توڑ کر خرافات کی تاریکیوں سے باہر آنے لگا۔ روم، یونان و ہند کے فلاسفہ آگے بڑھے اور توہمات کی جگہ عقلیت نے لے لی۔ عقل کا دور آیا اور مشکلات کے حل کے لئے فہم و فراست کو کافی سمجھا جانے لگا۔ افلاطون و ارسطو کے نظریات قطعی اور یقینی سمجھے جانے لگے۔ کسی نے زمین کو مرکز عالم قرار دیا۔ کسی نے خدا کے بجائے عقل اول کو خالق سمجھا، کسی نے تخلیق کا ذمہ دار خیر و شر کو قرار دیا اور کسی نے تین طاقتوں (اللہ، عیسیٰ اور روح القدس) کو۔ پھر عقلیات کی جگہ تجربات نے لے لی۔ سائنس نے کہا کہ کوئی نظریہ اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک تجربہ کی کسوٹی پر پرکھ نہ لیا جائے یہ مادیات کا دور کہلایا۔ ہر مسئلہ کا حل مادیات میں ڈھونڈا جانے لگا۔ سائنس یونان و روم کے فلسفوں کو مٹاتی ہوئی مذہب سے بھی الجھ گئی۔ اس کا یہ سبب ہوا کہ سائنس نے ترقی ان ممالک میں کی جہاں فلسفہ کے نظریات جزو دین بنا لیے گئے تھے۔ اور وہاں مذہب ایسا نازک شیشہ بن گیا تھا کہ تحقیق کی معمولی سی کنکری بھی اسے چکنا چور کر سکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فکر پر پہرے بٹھائے گئے، تحقیق قابل تعزیر ہو گئی۔ اور مذہب کے ٹھیکیداروں کے سخت رویہ سے تحقیق کا کام کرنے والے دور ہوتے چلے گئے اور سائنس کی فتوحات دین کی شکست سمجھی گئیں۔

بے دینی اور مذہب دشمنی کے ساتھ بے راہ روی، بدکرداری آئی جس نے نہ صرف مذہب بلکہ اخلاقی اقدار کو بھی تہہ و بالا کر دیا۔ نئی نئی ایجادوں نے زمین و فضا کے خزانوں کا انکشاف کیا اور عیش پرستی پروان چڑھنے لگی اور انسان کا ذہنی سکون غائب ہو گیا، جذبات و خواہشات کے ٹکراؤ نے امن و امان برباد کر دیا۔ دماغ پر نا قابل برداشت بوجھ اعصابی بیماریوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور مادیت اپنے عروج پر پہنچ کر پھر روحانیت کی طرف پلٹنے لگی۔ یہی دور

مذہب کی طرف بازگشت کا دور ہے اور انسان اپنے ہی تجربات کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگیا کہ اس کے تصور کے بغیر (جو انسان کی آرزوؤں، تمناؤں اور عقیدت کا مرکز ہے) ایسا خلا پیدا ہوتا ہے جسے ''قومیت''، ''علاقہ پرستی'' یا کسی ''ازم'' سے پورا نہیں کیا جاسکتا۔

فطرت کی پکار

دین کی بنیاد یہ ہے کہ یہ کائنات خود بخود کسی حادثہ کے نتیجہ میں نہیں پیدا ہوئی بلکہ کوئی ارادہ وعلم وحکمت والا ہے جس نے حکمتوں، مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے دنیا کو پیدا کیا ہے اور یہ عقیدہ خود انسان کے دل، ضمیر اور وجدان سے تعلق رکھتا ہے اس کے لئے نہ کسی نبی کی ضرورت ہے اور نہ کسی ہادی کی (انبیاء کا کام فطرت کے تقاضے کو صحیح سمت پر لگانا ہے) انسان میں ہر طرح کے عوامل ومحرکات ہوتے ہیں اور کچھ وہ ہوتے ہیں جن کے محرکات خود ذات میں پائے جاتے ہیں پہلے کی مثال ہیں بولیاں اور لباس وغیرہ اور دوسرے کی مثال جنسی خواہشات، جذبۂ تحفظ نفس ہیں پہلے کو عادی امور کہا جاسکتا ہے اور دوسرے کو فطری۔

فطرت کی پہچان

عادی امور زمانہ، حالات اور ماحول کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں۔ جیسے ہماری زبان اردو صرف ڈیڑھ دوسو برس میں اتنی بدلی کہ ایک صدی پہلے کے لب ولہجہ، محاورے اور طرز تخاطب آج سمجھنے میں مشکل ہوتی ہے۔ پھر ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں چلے جانے پر بھی اسی زبان میں تغیر ہوجاتا ہے۔ یہ ایک زبان کی بات ہے جب ہمارے ملک میں بہت سی بولیاں ہیں پھر جب ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاتے ہیں تو صرف زبان ہی نہیں، لباس، رہن سہن، رسم ورواج سب بدل جاتے ہیں لیکن جنسی خواہش، بھوک، پیاس اور تحفظ نفس کا جذبہ ہر جگہ ملے گا۔ اس لئے کہ پہلی باتیں عادت اور ماحول سے تعلق رکھتی ہیں لہٰذا بدل جاتی ہیں اور دوسری باتوں کا تعلق فطرت سے ہوتا ہے لہٰذا تبدیل نہیں ہوتیں۔

فطرت اور عادت کو پرکھنے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) کسی ایک قوم کی تاریخ کے ورق برابر پلٹے جاتے رہیں اور دیکھا جائے کہ ان میں سے کون سی چیز بدلتی رہی اور کون سی چیز اپنی جگہ قائم رہی۔ جو بدلتی رہی ان کا تعلق ماحول سے تھا اور جو تاریخ کے ہر ورق میں قائم رہیں وہ فطرت کی طلب تھی۔

(۲) ایک ہی زمانہ میں مختلف قوموں کے حالات کو دیکھا جائے کہ ان میں متمدن غیر متمدن، ترقی یافتہ، پسماندہ لوگوں کو دیکھا جائے کہ ان میں کیا چیز مشترک ہے اور کیا بدلتی رہتی ہے، جو مشترک ہے وہ فطری ہے اور جو بدلتی رہتی ہے اس کا تعلق عادت سے ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کئی دن فاقے کرنے سے بھوک مرجاتی ہے اور مسلسل نفس کشی سے خواہش ختم ہوجاتی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان دونوں کی طلب فطری نہ تھی۔ بلکہ ایسے موقع پر عادت فطرت پر غالب آجاتی ہے سامنے کی بات ہے کہ کھلی ہوئی فضاؤں میں رہنے والے پرندہ کی فطرت آزادی پسند ہوتی ہے وہ چاہتا ہے کہ آزادانہ اِدھر اُدھر جائے لیکن اگر اس کو کچھ دن قفس میں بند کر دیا جائے تو کچھ دن تو وہ پھڑ پھڑاتا ہے مگر رفتہ رفتہ اس پابندی کا

عادی ہوجاتا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ غیر فطری ماحول سے اتنا مانوس ہوجاتا ہے کہ اگر قفس کی کھڑکی کھول دی جائے تو وہ نہیں نکلتا اور اگر نکلتا بھی ہے تو قفس پر ہی بیٹھ جاتا ہے۔ یہی حال دیگر فطری تقاضوں کا بھی ہے فطرت اور عادت کے اس فرق کے واضح ہوجانے کے بعد دیکھا جائے تو اللہ کا تصور ہر اعتبار سے فطری نظر آتا ہے۔ دنیا کے کسی بھی خطہ میں چلے جایئے معبود اور خالق کا عقیدہ ہر جگہ ملے گا۔ خواہ نام بدلے ہوئے ہوں کہیں برہما کہا جائے گا، کہیں یزداں، کوئی گاڈ (خدا) کہے گا تو کوئی خدا اور یہ دلیل ہے کہ اس کا تصور ہر قوم میں موجود ہے۔ مختلف ادوار اور مختلف علاقوں میں کسی مشترک شے کا ہونا اس کے فطری ہونے کی دلیل ہے تو وہ بات کیسے فطری نہ ہوگی جو ہر قوم کے ہر دور میں ثابت و برقرار نظر آئے۔ انقلاب زمانہ کے ہاتھوں فنا شدہ جب بھی کسی قوم کا سراغ ملتا ہے یا کسی دفن شدہ تہذیب کا پتہ چلتا ہے تو عبادت گاہوں کا ضرور سراغ ملتا ہے اور یہ دلیل ہے کہ اللہ کا تصور فطری ہے۔ اس سے انکار نہیں ہے کہ ہوا و ہوس، خواہشات نفس، ذاتی اغراض، گمراہ کرنے والوں کا مسلسل پروپیگنڈہ کبھی کبھی کانوں، آنکھوں اور دل کو بہرے، اندھے اور شکوک میں مبتلا کردیتے ہیں اور لوگ اللہ کے منکر بن جاتے ہیں۔ لیکن جب حوادث و مصائب کے زوردار تھپیڑے فطرت پر ڈالے ہوئے پردوں سے ٹکراتے ہیں تو فطرت کی چنگاری چمک دکھا دیتی ہے۔ گزشتہ جنگِ عظیم کے موقع پر روس جیسے ملحد ملک میں مسجدوں اور گرجاؤں کے دروازے کھول دیئے گئے تھے اور لوگ اللہ سے لو لگانے پر مجبور نظر آنے لگے تھے۔

اردو ڈائجسٹ جنوری ۸۰ء جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ا، سمن آباد لاہور میں چرچل کے ذاتی معالج لاڈ موراں کا روزنامچہ چھپا ہے (صفحہ ۵۲) کی دوسری سطریں چرچل کی زبانی لکھا ہے ''اسٹالن کو نیم آمادہ دیکھ کر پہلے میں نے جرمن شہروں پر بمباری کا ذکر کیا پھر شمالی مغربی افریقہ پر حملے کا منصوبہ پیش کیا جسے اسٹالن نے بڑی توجہ سے سنا اور بولا خدا کامیابی سے ہمکنار کرے' کیا اس نے واقعی خدا کا نام لیا۔ میں نے چونک کر پوچھا محض ایک دفعہ نہیں کئی بار مصائب نے اسٹالن جیسے منکر خدا کو بھی خدا یاد دلایا۔ اسی کو شاعر نے کہا ہے۔؎

جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا

اور قرآن نے بھی متوجہ کیا ہے: ''جب کشتی پر بیٹھتے ہیں تو بڑے خلوص سے اللہ کو پکارتے ہیں اور جب اللہ ان کو بچا کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔''

آج کے محفوظ و مضبوط جہازوں کے مقابلے میں صدیوں پہلے کی غیر محفوظ کشتیوں میں سفر کرنا گویا موت کو دعوت دینا ہوتا تھا۔ خوف و خطر انسان کی نگاہ فطرت کو اللہ کی طرف موڑ دیتے تھے اور اس کی طرف توجہ ہوجاتی تھی۔

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلاَّ اِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْراً

''جب سمندر میں مصیبت میں پھنستے ہو تو اللہ کے علاوہ جن جن کو مدد کے لئے پکارا کرتے تھے سب کو بھول جاتے ہو اور جب نجات دلا کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو پھر اللہ سے منھ موڑ لیتے ہو اور انسان تو ناشکرا ہی ہے۔''

وَاِذاَ مَسَّ الْاِنْسانَ الضُّرُّ دَعاَ نَا لِجَنْبِهٖ اَوْ قَاعِداً اَوْ قَائِماً فَلَمَّا كَشَفْناَ عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلىٰ ضُرٍ مَسَّهٗ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

''جب انسان کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو کھڑے بیٹھے ہم کو ہی پکارتا ہے اور جب اس کی مصیبت کو دور کر دیتے ہیں یوں (منھ موڑ کر) چلا جاتا ہے گویا ہمیں اپنی مصیبت کے وقت پکارا ہی نہ تھا مسرفین کو اپنی باتیں کیسی اچھی لگتی ہیں۔''

اس مضمون کی دیگر آیات روشنی ڈالتی ہیں کہ انسان اپنی فطرت پر لاکھ پردے ڈالے مگر زندگی میں ایسے مواقع ضرور آتے ہیں جب فطرت اپنی اصل کی طرف پلٹتی ہے۔ یہی وہ فطرت ہے جس کے لئے اللہ کا ارشاد ہے:

''یہی وہ انسانی فطرت ہے جس کے مطابق اس کو خلق کیا گیا ہے۔''

وجود خدا کی عقلی دلیلیں

فطرت کی رہنمائی سے قطع نظر ہماری عقل بھی بتاتی ہے کہ یہ کائنات بغیر عالم و دانا خالق کے وجود میں نہیں آئی ہے کیونکہ افعال دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جن میں علم و ارادے کا دخل نہیں ہوتا کسی حادثہ کے نتیجہ میں وقوع پذیر ہوتے ہیں جیسے زلزلے کے جھٹکوں، آندھی طوفان سے عمارتوں کا گر جانا، زمین میں غار اور گڑھے پڑ نا۔ دوسرے وہ افعال ہیں جن میں علم و حکمت کا دخل ہوتا ہے جیسے کسی عمارت کی تعمیر، کسی مشین کا بنانا، چاہے ہمیں پتہ نہ ہو کہ عمل کو انجام دینے والا کون ہے وہ صاحب علم و حکمت تھا یا نہیں اور اس کا اس سے مقصد کیا تھا لیکن خود عمل بتاتا ہے کہ یہ کسی حادثہ کا نتیجہ ہے یا کسی صاحب عقل و ہوش کا انجام دادہ ہے۔ اگر اس عمل میں نظم و ترتیب ہے کسی مرتب و منظم کا پتا چلتا ہے۔ گھر بھی اگر چہ مٹی کا بنا ہوتا ہے لیکن اسے دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ کسی نے اس کو بنایا ہے اور مٹی کے ڈھیر کو دیکھ کر یہ فیصلہ نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ہواؤں، تھپیڑوں اور پانی کے بہاؤ سے ایک جگہ مٹی جمع ہوگئی ہو۔ جب ہماری عقل یہ فیصلہ کر دیتی ہے کہ جہاں کوئی ترتیب و تنظیم اور کسی مقصد کی کارفرمائی ہوتی ہے وہ عمل کسی حکیم و عالم کا انجام دادہ ہوتا ہے تو کیا اس عظیم کائنات جس میں چھوٹی سے چھوٹی، بڑی سے بڑی چیز کو ہم نے دیکھا اس میں نظم و ترتیب اور مقصد نہیں ملا۔ بلکہ انسان کی بنائی ہوئی چیزوں کی حکمتوں اور مصلحتوں کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی مخلوق میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں ان کی حدوں کو معلوم کر لینا بڑے سے بڑے صاحب حکمت کے بس میں نہیں ہے۔ ایک انسان کے جسم میں اربوں جرثومۂ حیات پائے جاتے ہیں جو اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ محض خوردبینوں سے ہی نظر آتے ہیں مگر یہ غذا بھی حاصل کرتے ہیں اور اپنی تعداد بھی بڑھاتے ہیں ان میں سے ہر ایک کا کام بٹا ہوا ہے۔ کوئی ایک دوسرے کے کام میں مداخلت نہیں کرتا۔ ان میں کتنی صلاحیتیں ہیں اور یہ اپنے افعال حکیمانہ طریقہ سے کیونکر انجام دیتے ہیں ابھی تک انسان اس راز کو نہیں پہنچ سکا اور نہ جانے کتنے راز پوشیدہ ہیں جن کی مستقبل نقاب کشائی کرے گا۔

خیال ہوسکتا ہے کہ کائنات بہت وسیع ہے اور ہمارا علم اس کے مقابلہ میں بہت محدود ہے اور کائنات کی وسعتوں کے مقابلہ میں ہمارا علم ایسا ہی جیسے گھنگھور اندھیری رات میں کوئی دیا سلائی جلا دی جائے اور اس کا گرد و پیش روشن ہو جائے وہ اتنی ہی دور دیکھ سکے گا جہاں تک اس کی دیا سلائی کی روشنی پہنچی ہے، اس سے آگے کی کوئی خبر نہیں۔ اپنے علم کی دیا سلائی کی روشنی نے ہم کو جہاں تک دیکھنے کا موقع دیا اس کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں نظم و ترتیب پائی جاتی ہے مگر اس کے آگے کیا ہے؟ نظم و ترتیب ہے یا بے ربطی ہے، ہمیں نہیں معلوم۔

اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ اگر ہم دو سو ورق کی ایک کتاب پڑھنا شروع کریں اور ابھی صرف دو ہی ورق پڑھے ہوں جن میں انتہائی قابلیت سے علمی گتھیاں سلجھائی گئی ہوں، گہری باتیں ہوں تو کیا ہم فیصلہ نہیں کر سکتے کہ اس مصنف کی پوری کتاب بے ربط نہیں ہوسکتی! معلوم نہیں کتنی علم و حکمت کی باتیں ہوں گی جتنا آگے بڑھتے جائیں گے اتنا ہی ہمارے علم میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

ایسے ہی اگر ہم کسی قلعہ کے ایک کمرے میں قید کر دیئے جائیں اور اس میں مناسب نقش و نگار، دیوار کی مضبوطی، کھڑکیوں اور روشن دانوں کا مناسب جگہوں پر ہونا یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ اس کا بنانے والا ایک اچھا انجینئر تھا چاہے بقیہ ہم نے قلعہ دیکھا بھی نہ ہو۔ ایسے ہی کائنات کے متعلق جو ہمارے علم میں آسکے اس میں حکمتوں اور مصلحتوں کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ بنانے والا حکیم و علیم ہے۔ **(جاری)**

بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہمارا کلمہ ناقص نہیں ہے

آنکھیں کھول کر دیکھو موسیٰ پر ایمان لانے والے اس کے پابند تھے، کلیم کو اللہ کا رسول کہنے پر کلمہ مکمل نہ ہوا جب تک ان کو خلیفہ کا جو ہارونؑ تھے ذکر شامل کلمہ نہ ہوا۔ موسیٰؑ کا اعجاز اور عصا کو اژدہا کی صورت میں انقلاب عظیم برپا کرتے دیکھ کر سجدوں میں گرے اور یک زبان ہو کر کہا کہ ہم عالمین کے خدا اور موسیٰؑ و ہارونؑ پر ایمان لائے ہمارا کلمہ بھی محمد رسول اللہ و علی ولی اللہ اس کی روشنی میں ہے۔

یہ استدلال میرا نہیں ہے خطیب معظم مرحوم سید محمد دہلوی مقبرہ جناب عالیہ کے منبر پر مرکز علم میں پڑھ کر دانشوران وطن سے داد لے چکے مال غیر کو اپنا قرار دینا سنگین جرم ہے سرقہ کی عادت قبیح ہے مرحوم کی اٹھائی ہوئی دیوار کو بچانا ہے یہ کہہ کر کہ نص قرآن ہے کہ اہل مکہ پر ویسا رسولؐ بھیجا گیا جیسا فرعون کی طرف اور حضرت اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس متواتر حدیث کو تسلیم کرلیا کہ سرکار دوعالم نے فرمایا ہے:

''لبعثن سنن من کان قبلکم شبر أشبر اً۔''

اگلے حالات و کوائف کا سامنا اس امت کو بھی ہوگا اور بالشت بھر کا بھی فرق نہ ہوگا اگر وہ سوسمار کے بھٹ میں گئے تو تم بھی زیر زمین چلو گے۔ یہ حدیث بخاری میں ہے اور یہ فرمان نبی ہے: ''انتم اشبہ الامم بنی اسرائیل۔''

تم بنی اسرائیل سے سب سے زیادہ ملتے جلتے ہو اگر ان کلمہ موسیٰ کی نبوت اور ہاروں کی خلافت پر ختم ہوا تو ہمارا کلمہ بھی ولایت علیؑ پر ختم ہوگا۔ ❀❀❀